اسلامک پبلشر دہلی

جماعتِ اہل سنت کے
تعلیمی وتحریری وتنظیمی امور ومعاملات

سوالات: از بعض طلبۂ جامعہ اشرفیہ مبارکپور
جوابات: از علامہ محمد احمد اعظمی مصباحی۔ صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

میں نے آپ کے سوالات پر ایک نظر ڈال لی ہے، بنیادی طور پر چند باتیں ذہن نشین کرلیں ان سے آپ کو ہر معاملہ میں بہت کچھ روشنی ملے گی۔

(۱) جب کوئی نئی جماعت یا نئی پارٹی وجود میں آتی ہے تو اس کے اندر اپنے بڑھاؤ اور پھیلاؤ کے لئے جوش عمل بہت زیادہ ہوتا ہے۔

(۲) جو جماعت جتنی ہی چھوٹی ہوتی ہے اتنی ہی زیادہ منظم ہوتی ہے۔ منکرین اسلام میں اس کی مثال یہود ہیں اور مدعیان اسلام میں قادیانی۔

(۳) جو جماعت جتنی بڑی ہوتی ہے اس کی تنظیم اتنی ہی زیادہ مشکل ہوتی ہے اور اس میں انتشار وافتراق اسی حساب سے سہل اور آسان ہوتا ہے۔

(۴) اہل حق کی راہ میں شیطان طرح طرح کے موانع پیدا کرتا ہے جب کہ اہل باطل کے لئے اشاعت باطل کی راہ میں زبردست محرک بلکہ معاون بھی بنتا ہے۔ ہاں خدا کے مخلص بندوں پر اس کا زور نہیں چلتا اور انہیں کے دم قدم سے حق کی بقا وابستہ ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے۔

"مَنْ عَمِلَ بِبِدْعَةٍ خَلَّاهُ الشَّيْطَانُ فِي الْعِبَادَةِ وَأَلْقَىٰ عَلَيْهِ الْخُشُوعَ وَالْبُكَاءَ" (ابو نصر والديلمي عن انس رضی اللہ عنه. كنز العمال)

"جو کسی بد مذہبی پر کاربند ہوجاتا ہے شیطان اس کو عبادت گزاری میں چھوڑ دیتا ہے اور اس کے اوپر خشوع اور گریہ وزاری کی کیفیت ڈال دیتا ہے"۔

بدمذہبوں کی یہ کیفیت دیکھ کر کتنے ان کے گرویدہ ہوجاتے ہیں اور اپنے ایمان سے بھی

ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ یہ شیطانی منصوبے کے عین مطابق ہے۔

یہ میں نے جو ابتدائی باتیں ذکر کی ہیں اب حالات کی روشنی میں ان کا جائزہ لیجئے۔ آج زیادہ فعال اور متحرک جتنے فرق باطلہ ہیں سب سوڈیڑھ سوسال کے اندر کی پیداوار ہیں۔ اہل سنت کے مقابلہ میں ان کی افرادی تعداد بھی بہت کم ہے۔ مگر جوش عمل اور فروغ مذہب کے لئے ان کی کاوشیں بہت بڑھی ہوئی ہیں۔ سب سے چھوٹی جماعت قادیانی ہے اس کے یہاں تنظیم سب سے زیادہ ملے گی۔ بیشتر ممالک اور شہروں میں ان کے فعال دفاتر قائم ہیں۔ سرمایہ کاری اور مالی توانائی کا زبردست انتظام ہے، لٹریچر کی بہتات ہے، ہر مذہب کے ماہرین ان کے مراکز میں تیار رکھے گئے ہیں۔ اسلام اسلام کا نام سب سے زیادہ وہ لیتے ہیں، غیر مسلموں کے خلاف سب سے زیادہ وہ لکھتے اور چھاپتے ہیں، دیگر فرقوں میں بھی کسی قدر تنظیم اور حرکت ملے گی، اپنی جماعت کو بڑھانے پھیلانے کا جذبہ اور دوسروں کو جلد سے جلد اپنا بنانے کا حربہ ان میں ہر وقت سرگرم عمل نظر آئے گا۔ مثلاً وہ۔

(۱) ادارے کثرت سے کھولتے ہیں۔ اس کے لئے بجٹ کی فراہمی بھی بڑی مہارت سے کرتے ہیں، معلم بھی عموماً اچھے چنتے ہیں

(۲) اہل سنت کے اداروں، مسجدوں اور انجمنوں کو بھی اپنانے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے لئے ہر جھوٹ اور فریب روا رکھتے ہیں۔

(۳) اپنے افراد کو عصری اور دینی دونوں طرح کی تعلیموں میں لگاتے ہیں۔

(۴) ان کے عوام بھی ایک فعال مبلغ کا کام انجام دیتے ہیں، سنی غیر سنی جس کو پاجائیں تبلیغی اجتماع میں شرکت پر زور دیتے ہیں۔ اپنی مسجد میں پہنچنے کی دعوت دیتے ہیں، غریب سنیوں کو تلاش کرتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ اپنے بچوں کو ہمارے حوالے کر دیں ہم ان کی بہترین تعلیم کا انتظام کریں گے اور سارے اخراجات بھی ہم برداشت کریں گے اس طرح بے شمار افراد اور گھرانے ان کی گود میں پہنچ گئے۔

(۵) تفسیر، حدیث، سیرت، تاریخ وغیرہ کی کتابیں لکھتے ہیں اور ان میں اپنی بد مذہبی کا زہر پوری چابکدستی سے شامل کر دیتے ہیں۔ پھر ایک مفسر، محدث، مؤرخ کی حیثیت سے اپنی تشہیر

کرتے ہیں، اپنی کتابوں کی تشہیر کرتے ہیں، غیر جانبدار آدمی ان کی کتابیں پڑھے یا نہ پڑھے لیکن اتنی بات مان لیتا ہے کہ انہوں نے اسلام کی زبردست خدمت انجام دی ہے۔ اس طرح وہ ان پر اعتماد کرنے لگتا ہے اور ان کا زہر بھی آسانی سے پی جاتا ہے۔

(۶) اہل سنت سے ملتے ہیں تو اتحاد کی بات کرتے ہیں اور طرح طرح سے یہ بتاتے ہیں کہ اس وقت عالم اسلام اور مسلمانوں کو بیرونی چیلنجوں کا سخت مقابلہ ہے اس لئے اندرونی اختلافات ختم کر کے ہم سب کو متحدہ کوشش کی ضرورت ہے۔ اس طرح وہ عوام کو عقائد میں مذبذب بنا دیتے ہیں اور خواص کا رخ بھی پھیرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسری طرح عملی میدان میں ان کا کردار یہ ہے کہ کسی سنی کو کسی ادارے میں دیکھنا نہیں چاہتے مثلاً علی گڑھ میں بعض سنی مدارس کی اسناد کی منظوری کے لئے کاغذات پہنچے تو انہوں نے پہلی کوشش یہ کی کہ وہ معادلہ بورڈ کی میٹنگ میں پہنچنے ہی نہ پائیں۔ پہنچ گئے تو بڑی باریک بینی سے کاغذات میں نقص بتا کر روک دیا۔ منظوری کا مرحلہ قریب آ گیا تو ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ منظور نہ ہوں۔ منظور ہو گئیں تو یہ کوشش کی کہ طلبہ کو نا اہل بتا کر داخلہ سے محروم کر دیا جائے۔ کسی لکچرر یا ریڈر یا پروفیسر کی جگہ نکلی تو اولاً یہ کوشش کہ کوئی سنی امیدوار پہنچنے نہ پائے، پہنچ گیا تو کسی طرح انٹرویو میں ناکام ہو جائے، اس میں بھی کامیاب ہو گیا تو بااختیار افراد پر زور ڈال کر اسے روک دیا۔ تفسیر، حدیث، فقہ کسی بھی فن میں اہل سنت کی جو خدمات ہیں ان کا تذکرہ کسی طرح نہ آنے دیں گے۔ کوئی اگر ان کی کتابیں دیکھنا ہی چاہے تو پوری کوشش یہ کریں گے کہ وہ دیکھنے نہ پائے۔ الغرض مسلکی تعصب کے معاملہ میں وہ انتہا پسندی کے حامل ہیں اور ہر طرح کی رذالت پر اتر آتے ہیں۔ ساتھ ہی اتحاد کا نعرہ بھی بلند کرتے ہیں اور اہل سنت کی تشہیر فسادی اور جھگڑالو کی حیثیت سے کرتے ہیں۔

(۷) ان کے پاس مکائد اور شیطانی فکر کی کمی نہیں، دروغ بافی ان کا مذہب ہے۔ خدا کے لیے کذب ممکن مانتے ہیں۔ تقیہ شیعوں کا مذہب ہے مگر تقیہ پر عمل کے میدان میں شیعوں کو ان سے بہت پیچھے پائے گا۔ بہت پہلے انہوں نے عصری درسگاہوں پر قبضہ جما لیا اور ہمارے پرانے لوگ جو وہاں تھے انہوں نے آئندہ کے لیے اپنے کسی جانشین کی فکر نہ کی، انہوں نے یہ

سمجھا ہوگا کہ اصول وضوابط کی روشنی میں جو اہل ہوگا وہ جگہ پائے گا انہیں کیا خبر کہ یہ گھس پیٹھ والی قوم جب سامنے آئے گی تو اصول وضوابط کی مٹی پلید ہو جائے گی۔

اس کے برخلاف اہل سنت کا حال یہ ہے کہ گنے چنے مخلصین کو چھوڑ کر اکثر و بیشتر شیطانی مکائد کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً کوئی تنظیم بنی تو قطع نظر اس کے کہ تنظیم کے مقاصد کیا ہیں اور ہم اس کے لئے وقت دے پائیں گے یا نہیں؟ اس کی کامیابی کے لیے کس قدر جدو جہد اور معاونت کی ضرورت ہے؟ ہمارا نام اگر نمایاں طور پر اس میں شامل نہیں تو اس کی مخالفت ضروری ہے، بہت رعایت سے کام لیا تو یہ کہ ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں، اس کے لئے کوئی کلمۂ خیر کہنے کو تیار نہیں، البتہ اس سے متعلق تشکیک اور اندیشوں کا اظہار ضروری ہے۔

کسی گروپ، کسی ادارہ، کسی شخص سے اپنی انا کو ذرا ٹھیس پہنچی تو معافی تلافی، صلح و مصالحت کی کیا بات، اس سے سخت سے سخت انتقام لینا اور اس راہ میں ہر پست سے پست سطح سے گذر جانا فرض منصبی میں داخل ہے۔

ضرورت کی جگہوں پر دعوت و تبلیغ کے لئے وقت نہیں، سرمایہ نہیں، وسائل نہیں، مگر انتقام کے لئے وقت بھی ہے، سرمایہ بھی ہے، وسائل بھی ہیں، توانائی بھی ہے۔ گویا اسی کام کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور اسی راہ میں جینا اور مرنا ہے۔ یہ کوئی دو چار افراد کا حال نہیں بلکہ یہ صورت حال ہمارے درمیان برابر رونما ہوتی رہتی ہے۔ اب آپ سمجھ لیجئے اس تناظر میں جماعت اور ملت کا کام کیسے ہوگا؟

جماعت کو بڑھانے، پھیلانے، اتحاد اور تنظیم کے لئے سوچنے کی بھی فرصت نہیں، اگر کبھی سوچا تو مشکلات کا تصور کر کے سپر انداز ہو گئے۔ یہ بھی نظر آئے گا کہ خود کو ذمہ داری سے مستثنیٰ ٹھہرائیں گے اور کہیں گے کہ یہ کام تو فلاں فلاں کو کرنا چاہئے۔ ان کے پاس قوت ہے، وقت ہے، وسائل ہیں ہم تو بالکل تہی دامن ہیں۔ تدافع اور تواکل کی اس کیفیت نے ملت کو بہت پیچھے ڈال دیا ہے۔

اور بالفرض کوئی آگے بڑھا اور اس نے کچھ کام شروع کر دیا تو اس کی معاونت، حمایت یا کم از کم زبانی موافقت اور قلبی ہمدردی کے بجائے اس کا انتظار ہوگا کہ کب وہ ٹھوکر کھا کر گرے

اور ہمیں ایک فرحت بخش منظر دیکھنے کو ملے۔ یہ بھی کم ہے، کچھ تو اس کوشش میں ہوں گے کہ وہ کام ہی نہ کر سکے ورنہ وہ نیک نام ہو جائے گا، پھر ہماری حیثیت گھٹ جائیگی، اہل حق کے اندر تباغض وتحاسد اور اختلاف ونزاع کی ان لا علاج بیماریوں کا تذکرہ احادیث میں بھی موجود ہے۔ مستثنیٰ وہی مخلصین ہیں جن کے بارے میں ابلیس بھی اعتراف کر چکا ہے۔

''لأغوينهم أجمعين الا عبادك منهم المخلصين''

''ضرور ضرور میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا مگر تیرے مخلص ومنتخب بندوں پر میرا بس نہیں چلے گا'' (یہاں قرأت متواترہ میں مخلصین بکسر لام وبفتح لام دونوں ہے۔ اس لئے دونوں حجت ہے)

ان ہی مخلصین کے دم قدم سے حق کی بقا اور سرفرازی وابستہ ہے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا۔ یہ حدیث بھی برحق ہے۔

''ان الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر''(بخاری ومسلم)

بے شک اللہ فاجر شخص سے بھی اس دین کو قوت پہنچاتا ہے۔

فاجر کا لفظ اپنے معنی عام کے لحاظ سے فاسق، بدمذہب، کافر سب کو شامل ہے۔ اس لئے ان کے ذریعہ اگر دین کا کوئی کام ہو رہا ہے تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔ احکم الحاکمین غیروں سے بھی کام لیتا ہے، حقانیت کا معیار عمل نہیں عقائد صحیحہ ہیں۔ اور رب تعالیٰ کے نزدیک مقبولیت کا معیار عقائد صحیحہ راسخہ اور اعمال حسنہ خالصہ دونوں کا حسین اجتماع ہے۔

وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ۔

سوال نمبر ا: ہماری جماعت میں اچھے قلمکاروں کی کمی کے کیا اسباب ہیں؟

جواب: اس کے ساتھ یہ بھی پوچھنا چاہئے کہ اچھے مقرر ہماری ہی جماعت میں زیادہ کیوں ہوتے ہیں؟ تقریر اور تحریر دونوں چیزیں مشق اور کثرت عمل سے جلا پاتی ہیں۔ اور کثرت عمل کے محرکات کیا ہیں؟ اظہار کے تقاضے یا پھر اظہار کے سہل اور عمدہ مواقع! پھر اس پر ہمت افزائی کے مظاہر! مثلاً آپ ایک چھوٹی سی بستی میں رہتے ہیں اور وہاں ہفتے میں کم از کم ایک بار کسی نہ کسی کے یہاں محفل میلاد ضرور منعقد ہوتی ہے۔ اور تقریر کے لئے آپ کے علاوہ وہاں کوئی نہیں لامحالہ لوگ

آپ کو دعوت دیں گے اور آپ کے لئے بھی منظوری کے سوا چارۂ کار نہیں۔ اگر شہر ہے تو ایک دن میں متعدد مجالس ہوں گی اور متعدد مقررین کی ضرورت ہوگی۔ اسی طرح جمعہ کے دن بھی لوگوں کی ہدایت وموعظت کے لئے پابندی سے کچھ نہ کچھ بیان کرنے کا اتفاق ضرور ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس سے تفہیم وتقریر کی صلاحیت میں اضافہ ہوگا، ہوسکتا ہے کہ آپ کی تقریر زیادہ کامیاب ہونے لگے تو دوسرے شہروں کے لوگ بھی مدعو کرنے لگیں اور آپ انکار نہ کرسکیں پھر اس کے ساتھ عزت افزائی اور نقد داد ودہش کا جو سلسلہ منسلک ہوجاتا ہے وہ بالعموم انسان کا خلوص بھی سلب کرلیتا ہے اور منفعت جوئی کا میلان اور حرصِ دنیا کا مزاج پیدا کردیتا ہے۔ جب کہ آپ کافی محنت کر کے کوئی مضمون لکھیں یا کتاب لکھیں تو خود اس کی اشاعت کی راہ پیدا کرنی ہوگی۔ لکھنے کے لئے کتابوں کی ضرورت ہے تو اپنے پاس سے خریدیں یا لائبریریوں کا چکر لگائیں۔ جو کچھ خرچ ہوگا خود برداشت کریں۔ اس کے بعد بھی مضمون اگر رسالہ کے معیار یا مزاج سے ہم آہنگ نہیں تو اشاعت پذیر بھی نہ ہوگا، شائع بھی ہوگیا تو اس پر کوئی پذیرائی نہ ہوگی۔

ہاں! کافی مشق ومشقت اور عرصۂ دراز تک صبر مسلسل کے بعد آپ ایک باکمال اور مشہور قلم کار ہوگئے تو کچھ پذیرائی اور ہمت افزائی ہوگی مگر وہ نہیں جو تقریر کے میدان میں ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سہل، عزت افزا اور منفعت بخش کام کو چھوڑ کر اس مشکل، صبر آزما اور حرف گیری ورسوائی کے خطرات سے لبریز مجاہدہ کے لئے توانا قلب وجگر کتنے لوگوں کے پاس ہوگا؟ ہزار میں دس بیس بھی ایسے مل جائیں تو بہت سمجھیں۔

الغرض تقریر کے لئے محرکات واسباب ہمارے یہاں زیادہ فراہم ہیں اور تحریر کے لئے کم۔ اس لئے دونوں کے نتائج بھی کچھ ایسے ہی ہیں، دوسروں کے یہاں تقریر کے مواقع اور تقاضے کم سے کم تر ہیں اس لئے وہ اپنے مقاصد کے لئے بالعموم تحریر کا سہارا لینے پر مجبور ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس کام سے شغف زیادہ ہوگا اور جس کا عمل واظہار زیادہ ہوگا اس میں عمدگی اور مہارت بھی زیادہ ہوگی۔

تاہم میں اس سے متفق نہیں کہ اچھے قلمکار صرف دوسروں میں ہیں ہم میں نہیں ہیں۔ البتہ اس طرح کا پروپیگنڈا زیادہ ہے۔

سوال نمبر۲: اچھے قلمکار اور ادباء کیسے پیدا ہوں گے؟

جواب: آپ کا یہ سوال زیادہ اہم ہے۔ لکھنے کا کام پرائمری درجات سے ہی شروع ہو جاتا ہے اور معلم اگر خود قابل و باصلاحیت ہو اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری کا اس میں احساس ہو تو درجۂ سوم کے آخر میں طالب علم اس لائق ہو سکتا ہے کہ املا صحیح لکھے اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں اپنے گھر، اپنے ماں باپ، اپنے پڑوس کے بچوں، نو جوانوں اور بوڑھوں سے متعلق آسان اور صحیح اردو زبان میں کچھ بولنے اور لکھنے لگے۔ پھر استاذ کی توجہ رہی تو درجۂ چہارم میں وہ خط نویسی پر اچھا قابو پا سکتا ہے اور درجہ پنجم میں آسان مضمون نویسی بھی آ سکتی ہے، اس کے بعد سلسلہ برقرار رہا اور رہنمائی و اصلاح کا عمل جاری رہا تو عالمیت یا درجہ سادسہ تک وہ قابل ذکر مضمون نگار بن سکتا ہے۔

لیکن وہی عمل جو پرائمری درجہ سوم میں ہونا تھا درجۂ عالمیت میں شروع ہوا اور محنت و مشقت جاری رہی تو امید ہے کہ فضیلت کے اختتام پر اس کا اردو املا صحیح ہو جائے گا اور کچھ اچھے جملے بھی لکھنے لگے گا۔ اس کے بعد کسی سے اصلاح لیتے ہوئے اسے شرم محسوس ہوگی اور اگر اس کے کسی ہمسر یا ذرا سینئر نے از خود اصلاح دیدی تو ہو سکتا ہے کہ اس سے آمادۂ جدال بھی ہو جائے۔ ہاں! اگر اس میں فطری صلاحیت اخذ و نقد کی ہے تو برابر لکھتے پڑھتے کسی لائق ہو سکتا ہے بشرطیکہ صبر اور ہمت سے کام لے۔ سستی شہرت اور زیادہ مالی منفعت کے چکر میں نہ پڑے۔ پھر اس کے بعد اگر اس کے سینے میں قیمتی ولی خدمت کا جذبہ اور جماعتی منفعت کے لئے کام کا حوصلہ ہے تو وہ بہت سے میدانوں میں اچھے کارنامے انجام دے سکتا ہے۔

سوال نمبر ۳: دینی رسائل و جرائد بہت کم تعداد میں نکلتے ہیں اور جو نکلتے ہیں ان میں بیشتر بند ہو جاتے ہیں یا غیر معیاری اور فرسودہ مضامین اور مقالات کی اشاعت کے شکار اور عصر جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہو پاتے اور عصری تعلیم یافتہ حضرات کو متاثر بھی نہیں کر پاتے۔ اس سلسلے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: اس کے بہت سے اسباب ہیں۔

اولاً: رسائل و جرائد کا معاملہ کتابوں سے مختلف ہے۔ کتاب چھپنے کے بعد دس پانچ

سال تک اصل قیمت پر بلکہ نرخ بڑھنے کی صورت میں زیادہ قیمت پر نکلتی رہتی ہے۔ اور اس لئے متروک نہیں ہوتی کہ یہ سال دو سال پہلے کی چھپی ہے مگر اخبار جس دن کا ہے اس دن نہ نکل سکا تو دوسرے دن اسے کوئی پوچھنے یا خریدنے والا نہ ہوگا، رسالہ جس ماہ کا ہے اس ماہ کے اندر نہ نکل سکا تو اگلے ماہ وہ اصلی قیمت پر ہرگز نہ نکل سکے گا خواہ کتنے ہی مفید یا قیمتی مضامین پر مشتمل ہو۔ کبھی کبھی بعض لائبریریاں یا بعض اشخاص کسی اہم رسالہ کی پوری فائل جمع کرنا چاہتے ہیں اور زیادہ قیمت پر لینے کو تیار ہو جاتے ہیں ایسی صورت کم آتی ہے اور ایسے افراد بھی کم سے کم تر ہوتے ہیں، اس لئے رسالہ نکلنے کے معاملہ میں یہ استثنائی صورت قابل ذکر نہیں۔

ثانیاً: کتاب کی ایک بار عمدہ ترتیب و کتابت ہوگئی۔ اسی کا عکس بار بار چھپتا رہتا ہے، رسالہ میں یہ بات نہیں ہوتی۔

ثالثاً: ہر ماہ رسالہ کے اندر وقت اور حالات کے لحاظ سے مناسب مضامین شامل کرنا ضروری ہوتا ہے اس لئے مدیر خود لکھے یا دوسرے قلمکاروں سے لکھائے یا کہیں سے اخذ وانتخاب کرے۔ بہر حال نئی کاوش اور نئی محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔

رابعاً: رسالہ کا انحصار اس کے مضامین میں دلچسپی اور قارئین کی کثرت پر ہوتا ہے۔ اس لئے اسے ذوق عوام کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اب عوامی ذوق کا جائزہ لیجئے تو افسانے، ناول، دلچسپ کہانیوں اور عریاں تصویروں کی رغبت زیادہ ملے گی اسی لئے آزاد رسائل بڑی تعداد میں ریلوے بک اسٹالوں اور کتب فروشوں کے یہاں سے نکل جاتے ہیں۔ اور اردو کے مقابلہ میں ہندی یا انگریزی کے رسائل زیادہ نکلتے ہیں اردو پڑھنے والوں کی تعداد اس ملک میں کم ہے۔ اور مذہبی وشرعی دلچسپی رکھنے والے کم سے کم تر ہیں۔ اس لئے دینی خصوصاً اہم تحقیقی و علمی رسائل کے خریداروں کی فراہمی ایک سنگین مسئلہ ہے۔ ایسے جو رسائل عرصۂ دراز سے نکل رہے ہیں وہ اپنا خرچ خود نہیں پورا کرتے بلکہ کسی ادارہ سے ان کی کفالت ہوتی ہے اور تعداد اشاعت بھی بہت کم ہے مگر یہ طے کر رکھا ہے کہ کم سے کم تر سہی ہم اسی معیار کے ساتھ اسے جاری رکھیں گے۔ وہ چند اہل علم واہل تحقیق کے استفادہ کو لاکھوں عوام کی

خریداری پر ترجیح دیتے ہیں۔

خاص صحافت ایک فن ہے اس میں زبان وبیان پر قدرت اور علمی تنوع کے ساتھ حالات سے باخبری بہت ضروری ہوتی ہے۔ خصوصاً یہ لحاظ رکھنا کہ بات کس پیرایے میں بیان کی جائے کہ لوگ دلچسپی سے پڑھیں، سرخیاں ایسی ہوں کہ قارئین فوراً متوجہ ہوں، مضمون کی ابتدا ایسی ہو کہ آگے دیکھنے کا اشتیاق برانگیختہ ہو، انتہا ایسی ہو کہ قاری کے ذہن پر اس کی یاد اور اس کا تاثر آئندہ بھی باقی رہے۔ جن رسائل میں ان امور کا لحاظ نہ ہوگا وہ زیادہ دن نہ چل سکیں گے۔

رہ گیا عصری تعلیم یافتہ افراد کو متاثر کرنا تو میرے خیال سے ان کو مطمح نظر بنا کر کوئی رسالہ جاری ہی نہیں ہوا، بالعموم سنی عوام وخواص کی افتادِ طبع کے لحاظ سے رسائل جاری ہوئے، ایک ہی رسالہ سب کے مزاج ومعیار کے مطابق نہیں ہوسکتا۔ تعلیم یافتہ افراد کی جستجو اور مزاج کو سامنے رکھ کر کوئی رسالہ جاری ہو اور اس کے لئے اخراجات کا کوئی مسئلہ سامنے نہ ہو بلکہ ہزار پانچ سو افراد پر قناعت کے ساتھ بھی وہ چل سکتا ہو تو ناکام نہ ہوگا۔ فہمِ عوام سے قریب کرنے کے لئے زبان سہل وآسان اور طرزِ تفہیم دلچسپ رکھا جائے تو بہت سے عوام بھی اس سے مستفید ہوسکیں گے اور اس کی تعداد اشاعت بھی کچھ زیادہ ہوجائے گی، مگر جہاں تک میرا اندازہ ہے علمی وتحقیقی رسائل میں یہ بات شاید وباید ہی ملے گی۔

مختصر یہ کہ بیشتر رسائل وقتی جوش وجذبہ کے تحت جاری ہوگئے، صحافت کے شرائط ملحوظ نہ رکھے گئے نتیجۃً ناکامی کا سامنا ہوا۔

یہ امر سنی رسائل ہی کے ساتھ خاص نہیں دوسرے شخصی رسائل کا بھی انجام ایسا ہی ہوا البتہ جو کسی ادارہ سے منسلک ہیں اور ان کے لئے مناسب افراد رکھنے کا لحاظ رکھا گیا ہے وہ جاری ہیں۔

سوال نمبر۴: اہل سنت وجماعت کے مخالفین کی ایک بڑی تعداد اس دنیا میں موجود ہے، مگر کیا بات ہے کہ ہمارے مدارس سے بدمذہبوں کے علاوہ متشدد ہندوؤں، یہودیوں اور عیسائیوں کے اعتراضات اور پروپیگنڈوں کے جوابات دینے والے نہیں نکلتے۔ ہماری پوری طاقت داخلی اختلافات میں صرف ہوجاتی ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف خارجی فرقوں سے مقابلہ

کے لئے چند افراد بھی مشکل سے ملتے ہیں۔اس تعلق سے آپ کا کیا نظریہ ہے؟

جواب: اسے ایک مثال سے آپ سمجھیں۔ایک آگ وہ ہے جو گھر کے اندر پہنچ گئی ہے اور نہ بجھائی گئی تو پورے گھر اور مال ومتاع کی بربادی یقینی ہے۔ساتھ ہی ایک آگ باہر فاصلے پر لگی ہوئی ہے جو گھر کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنا چاہ رہی ہے مگر پہنچ نہیں پاتی۔بارہا کسی آندھی یا بارش کی وجہ سے بجھ بھی جاتی ہے پھر بڑی محنت ومشقت سے تازہ کی جاتی ہے۔آپ کے سامنے ایسی صورت حال پیدا ہوتو آپ گھر کے اندر کی آگ بجھانے پر توجہ دیں گے یا باہر کی آگ بجھانے پر اپنی توانائی صرف کریں گے؟

فرق باطلہ کی آگ ہر مسلمان کے گھر میں یا اس کے دروازہ تک پہنچ گئی اس لئے ہر شخص اس کو بجھانے میں لگ گیا۔بجھانے والے اور بجھانے کی طاقت رکھنے والے افراد بھی کم ہیں، اتنی بڑی تعداد نہیں کہ اندرونی وبیرونی دونوں محاذ پر لگ سکے اس لئے زیادہ خطرناک اور زیادہ مضر پر توجہ مرکوز ہونا ایک فطری امر ہے۔

البتہ آگ لگانے والوں کے پاس تعداد بھی زیادہ ہے، وسائل اور توانائیاں بھی زیادہ ہیں، مکائد اور ہلاکت خیز منصوبہ بندی کی بھی صلاحیت ہے۔اس لئے انہوں نے کچھ لوگوں کو گھروں کے اندر آگ لگانے پر مامور کر رکھا ہے، کچھ کو دور فاصلہ پر لگا رکھا ہے کہ اتفاقاً اگر اس طرف کوئی آجائے تو وہی نشانہ بن جائے۔

الغرض قصداً بیرونی آگ سے اغماض نہیں ہوا ہے بلکہ اندرونی آگ نے بیرونی آگ کی طرف توجہ کی نہ مہلت دی نہ ہی اس کی قوت فراہم ہو پائی۔

ہاں! اب اگر وسائل ساتھ دیں اور کچھ لوگ بیرونی محاذ کے لئے مختص ہو جائیں تو بہت اچھا ہے۔اس کے لئے صحیح منصوبہ بندی، لائق افراد کی تیاری، ان کی مالی کفالت، کام کو فروغ دینے اور عالمی پیانے پر کام کرنے کے لئے سرمایہ کی فراہمی سبھی امور پر نظر رکھنی ہوگی۔ سوچنے سے لے کر کرنے تک بہت سے مراحل ہیں سب کا حل اگر پہلے سے تیار نہ ہو تو قدم قدم پر رکاوٹ یا ناکامی کا سامنا ہو سکتا ہے۔

سوال نمبر۵: سیاست میں علماء کی شرکت مفید ہے یا نہیں؟

جواب: میں سیاست میں علمائے اہل سنت کی شرکت کی سخت ضرورت محسوس کر رہا ہوں مگر ہر کام کے لئے کچھ لوازم اور شرائط ہوتے ہیں ان کی پابندی ضروری ہے۔

ایک سیاسی تنظیم ایسی ضرور ہونی چاہئے جس کے ارکان بیدار مغز، روشن خیال، جماعت کے لئے مخلص اور متحرک وفعال ہوں۔ اس تنظیم کا ایک منشور ہو، دفتر ہو، عملہ ہو، بجٹ ہو اور صوبائی وضلعی شاخیں ہوں تاکہ عوام تک اپنی آواز جلد سے جلد پہنچا سکیں اور ہر موقع پر ان کی مناسب رہنمائی کر سکیں۔

شرائط میں اہم شرط یہ ہے کہ اپنا تصلب اور تشخص برقرار رکھیں، کوئی غیر اسلامی یا غیر شرعی تجویز سامنے آئے تو حتی الامکان اسے روکنے یا اس کی اصلاح کے لئے کوشش کریں۔ مخالفین کی دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں پر نظر رکھیں۔

انفرادی شرکت کے وہ فوائد نہیں جو تنظیم کے ہیں اور تنظیم کوئی امر محال نہیں۔ ہمت، اخلاص، اور محنت کی ضرورت ہے۔

سوال نمبر ۶: مدارس کے فارغین معاشی طور سے پریشان رہتے ہیں۔ اس کا کیا علاج ہے؟

جواب: معاشی پریشانی فارغین مدارس ہی کا خاصہ نہیں، آپ نے شاید ملازمتوں کے لئے انٹرویو کے مواقع پر بی، اے، ایم اے کی ڈگریاں رکھنے والوں کی قطاریں نہیں دیکھیں۔ گورنمنٹ ملازمتوں کو تو چھوڑیئے پرائیویٹ مدرسوں کے پرائمری درجات کی معلمی کے امیدواروں میں آپ عصری درس گاہوں کے فارغین کی تعداد زیادہ پائیں گے۔ جب کہ بے شمار علماء کو آپ خوش حال، فارغ البال یا کم از کم اپنی ضروریات کا کفیل دیکھیں گے۔

معاشی خوش حالی یا بدحالی کا انحصار تعلیم پر نہیں، ملک کی اکثریت عصری ودینی دونوں تعلیموں سے خالی ہے پھر بھی اس میں بڑے بڑے اہل ثروت موجود ہیں، متوسط الحال بھی ہیں، بدحال بھی، ہاں بڑی بڑی ڈگریوں والے عموماً کسی اچھی ملازمت سے وابستہ ہو جاتے ہیں اور اچھی صلاحیتوں کے لئے جگہیں بالعموم فراہم ہو ہی جاتی ہیں البتہ بی اے، ایم اے کی اب کوئی اہمیت نہیں رہی اور صلاحیت کمزور ہے تو کیسی بھی ڈگری ہو معیاری جگہوں کے لئے ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔

خیانت کار افسروں کے یہاں خصوصی تعلقات اور رشوت کے ذریعہ نااہلوں کو ضرور کامیابی مل جاتی ہے مگر کچھ ایسی بھی جگہیں ہوتی ہیں جن کے لئے صلاحیت ہی کارگر ہو پاتی ہے۔

فارغین مدارس میں بھی جو اچھی صلاحیت رکھتے ہیں ان کو خوش آمدید کہنے والے بہت ہوتے ہیں اور وہ بڑی عزت کے ساتھ اپنی خدمات انجام دیتے ہیں مگر جس نے تحصیل علم کا قیمتی زمانہ بڑی بے دردی کے ساتھ لہو ولعب میں برباد کیا ہو وہ اگر فراغت کے بعد پریشان حال نظر آیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ علاج یہ ہے کہ طالب علم اپنے مستقبل پر نظر رکھے اور جس میدان کو اپنانا چاہتا ہے اس میں امتیاز واختصاص پیدا کرنے کے لئے دور طالب علمی سے ہی جدوجہد شروع کردے، وقت کبھی برباد نہ کرے نہ ہی محنت سے جی چرائے۔ اگر اس طرح کی پابندی کرلی تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ مستقبل میں پریشان حال نظر آئے یا اس کی کوششیں رائیگاں چلی جائیں۔

سوال نمبر ۷: مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ جب یونیورسٹیوں کا رخ کرتے ہیں تو کیا بات ہے کہ وہ مدارس کے نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کی مذمت کرتے ہیں اور یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ ہم نے اتنا وقت بیکار کردیا، منطق وفلسفہ کے تو وہ لوگ بے حد مخالف نظر آتے ہیں۔

جواب: یہ تو انہیں سے پوچھنا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ نئے ماحول سے ان کی مرعوبیت کا نتیجہ ہو یا مغرب کی اس دسیسہ کاری کا حصہ جس نے ساری ملازمتوں کی بنیاد عصری تعلیم کو قرار دے کر مدرسی تعلیم پر ایک ضرب کاری لگائی۔ اور نہ اسی تعلیم کی بنیاد پر بہت سے اعلیٰ عہدے انگریز دور حکومت کے شروع میں ملتے تھے اب دوسری کوشش یہ ہے کہ مدارس کی تعلیم کھوکھلی کردی جائے، وہاں کے فارغین نہ مکمل عالم بن سکیں نہ اچھے گریجویٹ۔ اس لئے اب بے شمار مضامین اور مذاکرات مدارس کو روزی روٹی سے جوڑنے کے لئے ہو رہے ہیں۔ اور یہ امر قطعیات یا کم از کم مسلمات سے ہوگیا ہے کہ جس نے مدرسہ کی تعلیم حاصل کی وہ بھوکوں مرا اور جس نے عصری تعلیم حاصل کی وہ دنیا کی جنت ہی جنت میں رہا۔ حقیقت سے اس کا واسطہ ہو یا نہ ہو لیکن پروپیگنڈہ اتنا زوردار ہے کہ اس کی بازگشت خود مدارس کے فارغین سے سنی جارہی ہے۔ لیکن یہ کوئی کلیہ نہیں بہت سے وہ ہیں جو یونیورسٹی میں پہنچ کر بھی مدرسہ کی تعلیم پر فخر کرتے

ہیں اور اسی تعلیم کی بنیاد پر وہاں نمایاں مقام بھی حاصل کرتے ہیں۔ بہت سے وہ بھی ہوں گے جو مدرسہ میں رہ کر بھی یہ سوچتے ہوں گے کہ افسوس مجھے ذرائع میسر نہ ہوئے ورنہ میں مولوی بننے کے بجائے گریجویٹ بنتا، کرتے پاجامے کی جگہ پینٹ شرٹ سے آراستہ ہوتا، داڑھی بڑھانے کے بجائے روزانہ اس کا صفایا کرتا، بوسیدہ درس گاہ کے فرش ومسند کی جگہ کسی بنگلے میں جج یا کلکٹر کی کرسی پر رونق افروز ہوتا۔

اس میں عربی تعلیم سے زیادہ مغربی تہذیب سے محبت کارفرما ہے جس کا یقین اپنی تعلیم اور اپنی تہذیب پر کمزور ہو۔ جس کے دل میں مغربی تہذیب سے مرعوبیت جاگزیں ہو اس کے خیالات اس طرح کے ہوجائیں تو بعید نہیں۔ ایک مسلمان کا یقین اس بات پر راسخ ہونا چاہئے کہ اس کے لئے دین، دینی تعلیم، دینی تہذیب بہرحال ضروری اور دنیا وآخرت میں نفع بخش ہے۔ رہ گیا معاش کا مسئلہ تو رزاق رب تعالیٰ ہے وہ بے علم کو دولت کی فراوانی دیتا ہے تو پھر عالم دین اس کی رحمت سے ناامید کیوں ہو؟ بالفرض اسے چند روزہ دنیا کی آسائش نہ ملی تو آخرت کی دائمی آسائش تو اس کا مقدر ہے۔ جس کے مقابلہ میں ہفت اقلیم کی بادشاہت بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

سوال نمبر ۸: حکومت ہند ایک خطیر رقم اردو زبان وادب کے فروغ پر صرف کرتی ہے، تقریباً سبھی ریاستوں میں فروغ اردو کے لئے سرکاری تنظیمیں قائم ہیں جہاں سے اردو رسائل وجرائد نکلتے ہیں، کیا وجہ ہے کہ اپنے لوگ ادھر توجہ نہیں دیتے؟

جواب: یہاں وجہ پوچھنے کی ضرورت نہیں کوئی شخص اگر اثر اور صلاحیت رکھتا ہے تو اسے آگے بڑھ کر حصہ لینے کی ضرورت ہے۔

سوال نمبر ۹: مسلم پرسنل لاء بورڈ میں اپنے لوگ برابر کے شریک رہے پھر نامزد ممبران کی وفات کے بعد کوئی دوسرا ان کی جگہ نہ آیا۔ آخر ایسا کیوں؟

جواب: مسلم پرسنل لا بورڈ قاری طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور ان کے چند رفقاء نے قائم کیا۔ صرف ایک سنی عالم کو نائب صدر کی جگہ نامزد کیا جس کا دو مقصد تھا ایک حکومت کو یہ بتانا کہ اس میں تمام مسلم جماعتوں کی شرکت ہے، دوسرے اس نام کے ذریعہ سنی عوام کو اپنے

قریب کرنا۔ ایسے ہی دور نے فوائد ملحوظ رکھ کر وہ اپنی بہت سی مجلسوں اور جلسوں میں سنی علماء کے نام دکھاتے ہیں۔

اہل سنت کو خود سیاسی و مذہبی تنظیمیں قائم کر کے عوام کی نمائندگی و رہنمائی کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسروں سے یہ شکوہ ہی فضول ہے کہ انہوں نے اپنی تنظیم میں ہمیں کما حقہ جگہ نہ دی۔

سوال نمبر ۱۰: مدراس کے فارغین جو تحقیق وریسرچ کے لئے یونیورسٹیوں کا رخ کرنا چاہتے ہیں مگر معاشی حالات سے مجبور ہوتے ہیں ایسے طلبہ کے وظیفہ وغیرہ کا انتظام ہو جائے تو ان طلبہ کی بڑی تعداد یونیورسٹیوں میں جاسکتی ہے۔ آپ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب: وظائف کے حاجت مند تو ہر معیار کے ملیں گے بعض وہ ہیں جو دینی تعلیم کے لئے بھی وظائف کے محتاج ہیں۔ بعض حضرات ان کی کفالت بھی کرتے ہیں۔ عصری تعلیم کے لئے بھی کچھ ایسا معاملہ ہے۔ مگر کوئی باضابطہ اور منظم طور پر انتظام نہیں۔ لوگ متوجہ ہوں تو بڑی اچھی بات ہے۔

سوال نمبر ۱۱: مصنفین کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ کتاب کی اشاعت کا ہوتا ہے جو لوگ صاحب اثر ہوتے ہیں وہ تو خود اکیڈمی قائم کر لیتے ہیں یا کسی صاحب ثروت کے ذریعہ اپنی کتاب شائع کرا لیتے ہیں۔ لیکن دوسرے لوگ جوان میں سے کچھ بھی نہیں کر سکتے وہ اپنی صلاحیتوں کو اجاگر نہیں کر پاتے اس کے لئے کوئی صورت آپ کے پاس ہے؟

جواب: یہ دشواری ہمیشہ پیش آتی رہی ہے مگر اہل قلم نے اس کا حل بھی تلاش کیا ہے، مثلاً پہلے انہوں نے معروف رسائل وجرائد کو دیکھا، ان کا مزاج اور معیار پہچانا اور ایسے مضامین لکھے جوان کے لئے باعث کشش ہوں۔ چنانچہ اعزاز کے ساتھ وہ شریک اشاعت ہوئے۔ اس طرح مضمون نگار اپنے خاص اسلوب تحریر اور انداز فکر کے ساتھ متعارف بھی ہو گیا اور جب اس نے کوئی کتاب لکھی تو ناشرین اس کی اشاعت کے لئے تیار بھی ہو گئے۔

اپنی تحریر اولاً دلکش، مفید اور موثر بنانا ضروری ہے۔ پھر اشاعت کی دشواری نہ ہوگی۔ غلطی یہ ہے کہ ابتدا ہی میں کوئی آدمی اپنے کو کامل سمجھنے لگے اور جو کچھ لکھ دے چاہے کہ خواہ مخواہ لوگ اسے

قبول بھی کریں۔

سوال نمبر۱۲: تحریک دعوت اسلامی کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: میں اسے مفید اور ضروری سمجھتا ہوں۔ اگر اس میں کچھ خامیاں ہوں تو اصلاح کی جائے۔ تحریک دعوت ہی کو مسترد نہ کیا جائے۔ جو لوگ انتہا پسندی کے ساتھ اس کی مخالفت کر رہے ہیں ان سے سوال یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کا سیلاب جو ہماری اچھی اچھی آبادیوں کو نگلتا جا رہا ہے اس پر بند باندھنے کا آپ نے کیا انتظام کیا؟ اس پر روک لگانے اور بھولے بھالے سنیوں کو بچانے کا آپ کے پاس کیا فارمولہ ہے اور کیا عمل ہے؟ مگر وہ اس کا کوئی جواب نہ دیں گے اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا فرض صرف اپنوں کی مخالفت ہے، غیروں کے سیلاب سے قوم کا تحفظ اور کی ذمہ داری ہے۔ جو شاید آسمان سے نازل ہوگا یا قیامت گذر جانے کے بعد پیدا ہوگا۔

سوال نمبر۱۳: کوئی بھی اچھی تحریک اٹھتی ہے تو اس کے مخالفین پیدا ہو جاتے ہیں اس کا اصل سبب کیا ہے؟

جواب: اس کا سبب میری تمہید میں گذر چکا۔

سوال نمبر۱۴: اہل سنت و جماعت کے تصنیفی و اشاعتی تعطل کو ختم کرنے اور کتابوں کی تصنیف و اشاعت کی غرض سے آج سے ۲۶ سال قبل آپ حضرات نے ''المجمع الاسلامی'' قائم فرمایا تھا مگر اس کی ترقی میں اتنی تاخیر کیوں ہو رہی ہے؟

جواب: ترقی اور کامیابی کس چیز کا نام ہے، ایک اشاعتی و تصنیفی ادارہ سے آپ کیا توقع رکھتے ہیں؟ کیا ''المجمع الاسلامی'' کے زیر اہتمام جو کتابیں لکھی گئیں اور جو کتابیں شائع ہوئیں وہ کسی خانے میں رکھنے کے لائق نہیں؟ تدوین قرآن، فضائل قرآن، اسلام اور امن عالم جیسی جامع کتابیں دوسروں کے پاس بھی نہیں۔ امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات، حدوث الفتن اور تحقیق جد الممتار وغیرہ کو اس دور کے اہم معیاری کاموں میں جگہ دینی چاہئے مگر دوسروں سے کیا گلہ جب اپنوں ہی کو اپنے کام کی حیثیت کا علم نہیں۔ اس کا اپنا کام تو اپنی جگہ ہے اس کے ذریعہ ایک فکری و تحریری انقلاب بھی برپا ہوا ہے اور اس ایک چراغ سے بہت سے چراغ جلے

ہیں۔ یہ سب بھی نظر میں رکھنا چاہئے۔ شاید آپ المجمع الاسلامی کی کارکردگی سے پورے طور پر واقف نہیں اس لئے آپ نے یہ سوال کردیا۔ وسائل کی کمی ضرور ہے اور اس کے متعدد اسباب ہیں۔ اسے کوئی ملکہ ٔ بھوپال یا ریال وڈالر میسر نہیں نہ اس کے ارکان میں کوئی ایسا پیر یا خطیب ہے جس کی ایک آواز پر بہت سے اہل ثروت کی تجوریاں کھل جائیں۔ ادارہ بھی وہ نہیں جسے عام طور سے مستحق سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً مسجد اور مدرسہ کو تو عوام جانتے ہیں مگر تصنیفی واشاعتی ادارہ کیا ہے؟ تصنیف واشاعت کیا ہے؟ اور اس راہ کی ضروریات کیا ہیں؟ اس سے وہ نابلد ہیں، عوام ہی نہیں بیشتر خواص کو بھی اس کا نہ کوئی تجربہ ہے نہ آشنائی۔ جیسا کہ عموماً بات چیت سے اندازہ ہوجاتا ہے۔ مگر ہمیں ان سب کا شکوہ نہیں، شکوہ اپنی عدیم الفرصتی کا ہے کہ سب کو سمجھانے کے لئے ہمارے پاس کماحقہ نہ وقت ہے نہ ذرائع۔ واللہ ولیّ التوفیق۔

سوال نمبر ۱۵: مدراس کے نصاب تعلیم میں ترمیم سے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: نصاب تعلیم میں ترمیم کی گنجائش ہے اور کافی ترمیم ہوچکی ہے، لیکن اب بھی کالج، یونیورسٹی کے بعض فضلاء یہی شور مچارہے ہیں کہ مدارس میں دوسو سال پرانا نصاب جاری ہے اس میں عصری علوم کی شمولیت بالکل نہیں۔ منطق وفلسفہ کی کتابوں کا انبار ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس کام کے لئے مقرر کردیا گیا ہے کہ مدارس اور ان کے نصاب کو ہمیشہ اپنی تردید کا نشانہ بناتے رہو۔ اس میں جو صالح مواد ہیں یا جو اصلاحات ہوں ان کا ذکر نہ کرو۔ ہمیشہ کوئی ایسی بات زیادہ سے زیادہ مؤثر انداز میں سامنے لاؤ جس کے باعث مدارس سے دوری اور نفرت میں اضافہ ہو۔ وہ یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ مدارس میں عصری علوم داخل کیے جائیں مگر یہ بولنے کی ضرورت کبھی نہیں سمجھتے کہ کم از کم مسلم اسکولوں اور کالجوں میں دینیات کو داخل کیا جائے۔ یا ایسے ادارے قائم کرکے نہیں دکھاتے جن کے تعلیم یافتہ افراد تفسیر، حدیث، عقائد وکلام، فقہ واصول فقہ اور اردو وعربی زبان وادب میں مہارت کے ساتھ عصری علوم کی بھی تمام اصناف میں ماہر وکامل ہوں۔ صرف مشورے دینا کافی نہیں کسی کو آگے بڑھ کر عملی نمونہ بھی پیش کرنا چاہئے۔

ہمارے نصاب کی بنیاد اس پر ہے کہ طالب علم کو قرآن وحدیث، فقہ واصول فقہ اور عقائد

وکلام میں مہارت حاصل ہو۔ یہ عربی زبان میں مہارت کے بغیر ممکن نہیں۔ اور عربی زبان میں مہارت کے لئے نحو، صرف، ادب اور بلاغت کی تعلیم ناگزیر ہے۔ عقائد وکلام کے لئے منطق لازمی یا مفید ضرور ہے۔ فلسفہ کی کتابیں اکثر خارج ہو چکی ہیں۔ دو تین کتابیں بعض فوائد ومصالح کے پیش نظر باقی ہیں۔

فارسی زبان کی تعلیم اس خصوص میں ضروری نہیں مگر اب تک وہ اکثر مدارس میں درج ذیل فوائد کے تحت تھوڑی ہی سہی مگر باقی ہے۔

(۱) آج بھی اردو زبان میں بیش تر الفاظ اور ترکیبیں فارسی کی موجود ہیں۔ فارسی کی چند کتابیں پڑھ لینے کے بعد ان الفاظ وتراکیب کے سمجھنے میں دقت نہیں رہ جاتی۔ جب کہ اس سے بالکل نابلد رہنے میں بہت سی غلطیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں۔

(۲) اسلامیات اور ادبیات کا ایک بڑا ذخیرہ فارسی زبان میں ہے۔ اس سے استفادہ کے لئے اس زبان سے آشنائی ضروری ہے۔

(۳) عربی قواعد، طب، ہیئات، تاریخ وغیرہ کی بعض اہم اور عمدہ کتابیں فارسی میں ہیں۔ فارسی پڑھ لینے کے بعد ان سے استفادہ کی راہ کھل جاتی ہے۔

اب آپ ہمارے نصاب کا جائزہ لیں تو ان خطوط سے باہر نظر نہ آئے گا۔ رہ گئے عصری علوم تو ابتدائی حساب، سائنس، جغرافیہ، ہندی وغیرہ کی تعلیم پرائمری درجات میں ہو جاتی ہے۔ مزید برآں کچھ حساب کی تعلیم اعدادیہ میں بھی موجود ہے۔ تاریخ ہند، تاریخ اسلام، سیرت نبوی، سیرت خلفا، مبادیٔ سیاسیات، دستور ہند، دنیا کی حکومتیں، جدید علم سائنس وغیرہ بھی شامل نصاب ہیں۔ درجہ ہشتم تک کی انگریزی لازم ہے۔ ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کی انگریزی بطور اختیاری مضمون داخل ہے۔ اور ان سب کی باقاعدہ تعلیم ہوتی ہے، امتحانات ہوتے ہیں، انشاء اور مضمون نگاری کی خاصی مشق کرائی جاتی ہے۔ ان سب کے باوجود پروپیگنڈہ یہی ہے کہ مدارس میں عصری علوم کی شمولیت بالکل نہیں اور کتب عقلیہ کا ایک انبار لگا ہوا ہے۔ مدارس اپنی افادیت کھو چکے ہیں، اتنے سے بھی تسکین نہیں ہوتی تو اس کے ساتھ روزی روٹی کا مسئلہ بھی جوڑ دیتے ہیں اور یہ زبان پر نہیں لاتے کہ

لاکھوں گریجویٹ وہ ہیں جن کو کوئی بافراغ ملازمت حاصل نہیں، کسی طرح معمولی زندگی بسر کررہے ہیں۔ ہزاروں وہ ہیں جو اغوا، پاکٹ ماری، چوری، رہزنی، نیتاؤں کی کاسہ لیسی کے ذریعہ اپنا پیٹ پال رہے ہیں۔ ان کو اپنے شاگردوں کی فکر نہیں۔ بس فارغین مدارس کے غم میں گھلے جارہے ہیں۔

خیر! ترمیم واصلاح بڑی حد تک ہو چکی ہے۔ رہ گئی مزید اصلاح وتنقیح اور ترمیم کی بات تو یہ بہت غور طلب مسئلہ ہے۔ اولاً بہت سی کتابیں وہ ہیں جن کا بدل موجود نہیں۔ اور ان کو باقی رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً ترجمۂ قرآن، صحاح ستہ، ہدایہ وغیرہ۔ ثانیاً بعض قابل تبدیل کتب کا بدل داخل ہو چکا ہے۔ ثالثاً بعض کتابوں میں کلی یا جزوی ترمیم کی ضرورت ہے۔

مگر ہندوستانی مدارس کا معاملہ غیر ہندوستانی مدارس اور عصری جامعات سے مختلف ہے۔ بیشتر ممالک میں وزارت تعلیم کے تحت نصابی کتب تیار ہوتی ہیں اور ان کے لئے بھاری تنخواہوں پر ایک اچھا خاصہ عملہ بارہ مہینے موجود رہتا ہے۔ ترمیم کی ضرورت نہ ہو پھر بھی اسے کچھ نہ کچھ ترمیم کر کے اپنی تنخواہ کا استحقاق ظاہر کرنا ہے، جب کہ مدارس ہند کو کسی حکومت کی جانب سے ایسی کوئی سرپرستی حاصل نہیں۔ نصابی کتب تیار کرنا کوئی ایسا آسان کام بھی نہیں کہ کسی نو فارغ یا کم سواد کو چار پانچ ہزار روپے ماہانہ دے کر اطمینان کرلیا جائے کہ وہ مطلوبہ معیار پر کام کر کے دکھا دے گا۔ بڑے بڑے ماہر مدرس بھی جن کو لکھنے اور نصاب سازی کی خاصی مہارت نہ ہو اس میدان میں ناکام ہو جائیں گے۔ کچھ لوگ ہر طرح لائق اور اہل ثابت ہو گئے تو مدارس کے ذمہ داران نے ان کے سر اتنے کام لگا رکھے ہوں گے کہ اس کام کے لئے خالی کرنے میں یہ محسوس کریں گے کہ ہمارا ادارہ ہی تباہ ہو جائے گا۔

پھر نصاب تیار ہو جانے کے بعد اس کی تصحیح کتابت، طباعت اور اشاعت کا مسئلہ اپنی جگہ ہے۔ ناشرین جانتے ہیں کہ عربی درسیات کی رفتار اشاعت کیا ہے؟ بہر حال یہ کام اتنا آسان نہیں جتنا عموماً وہ لوگ سمجھتے ہیں جن کو اس طرح کا کوئی تجربہ نہیں۔

تاہم انفرادی طور پر بہت کچھ ہو رہا ہے اور اس سلسلے میں مناسب صورتوں کی تلاش بھی جاری ہے۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

سوال نمبر ۱۶: طلبۂ اسلام کے لئے آپ کے کچھ ارشادات؟

جواب: طلبہ سے متعلق بہت سی باتیں گذر چکیں۔ ان سے وہ بہت کچھ اخذ کر سکتے ہیں تاہم آپ کے سوال پر مزید کچھ بیان کرتا ہوں۔

عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ طلبہ اپنے اوقات اور اپنی تعلیم کے ساتھ انصاف نہیں کرتے۔ ابتدائی کتابوں پر عبور حاصل نہیں کرتے جس کے باعث انتہا تک کمزور رہتے ہیں یا بار بار ناکام ہوتے ہیں اور تعلیم ہی سے خاطر برداشتہ اور متنفر ہو جاتے ہیں۔ کچھ امتحان میں ۳۳ فیصد حاصل ہونے اور اگلے درجہ میں ترقی پانے کی حد تک کوشش کرتے ہیں مگر بنیادی کتابوں سے متعلق جن کی معلومات کا ۳/۲ حصہ غائب ہو اور امتحان پاس کر لینے کے بعد ۳/ابھی غائب ہو جائے آئندہ کے لئے ان کی دشواری، انتہائی کمزوری بلکہ ناکامی محتاج بیان نہیں۔ مگر المیہ یہ ہے کہ ابتدا میں عقل ناپختہ ہوتی ہے۔ محنت سے نفرت، کھیل سے رغبت، فضولیات سے الفت ہوتی ہے۔ اور جب شعور بیدار ہوتا ہے وقت ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے۔ طلبہ کی اکثریت اسی ایک سبب کے باعث کمزور یا بیکار ہو رہی ہے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ابتدائی تعلیم چھوٹے مدارس میں اساتذہ کی سخت نگرانی کے ماحول میں ہو کہ طلبہ نہ چاہتے ہوئے بھی پڑھنے اور لیاقت پیدا کرنے پر مجبور ہوں تو یہ زیادہ کارآمد اور مفید ہوگا۔ بنیاد ٹھوس اور مضبوط ہوگئی تو آگے کے ہر قفل کی کنجی ہاتھ آگئی۔

باشعور اور ہوش مند طلبہ سے متعلق عرض یہ ہے کہ ان کو اپنی نصابی کتب پر عبور کے ساتھ کچھ اور ہمت کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) مثلاً ہمارے یہاں درجۂ خامسہ سے فضیلت تک ادب عربی یا انگریزی میں سے ایک ہی لازم ہے۔ دونوں کو اب تک اس خیال سے لازم نہ کیا جا سکا کہ طلبہ پر بار زیادہ ہو جائے گا اور وہ سنبھال نہ سکیں گے۔ مگر دونوں کی ضرورت اپنی جگہ مسلم ہے۔ جو طلبہ عربی ادب کا نصاب مکمل نہیں پڑھتے وہ حدیث، سیرت و تاریخ اور دوسرے فنون کی بہت سی کتابوں کے بہت سے مقامات حل نہیں کر پاتے یا بہت مشکل سے سمجھ پاتے ہیں جب کہ مکمل ادب پڑھے ہوئے طلبہ اول نظر میں انہیں سمجھ لیتے ہیں۔

دوسری طرف جوانگریزی نصاب مکمل نہیں کرتے انگریزی کتب ورسائل سے استفادہ سے قاصر رہتے ہیں۔ قاصر تو وہ بھی رہتے ہیں جو نصاب ہی کی حد تک محدود رہتے ہیں اور مطالعہ کے ذریعہ علم زبان کے فروغ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جنہوں نے انگلش بک III کے آگے کچھ دیکھا ہی نہیں وہ زیادہ عاجز ہوں گے۔ اس لئے باہمت طلبہ کو میرا مشورہ یہ ہے کہ درس میں اگر چہ کسی ایک زبان کو رکھیں مگر خارجی کسی بھی ذریعہ سے وہ دوسری زبان کی بھی تکمیل کریں اور دونوں زبانوں سے متعلق غیر نصابی کتب ورسائل کثرت سے دیکھیں اور لکھنے اور بولنے کی بھی خوب مشق کریں اس طرح وہ بہت کارآمد انسان بن سکتے ہیں۔

(۲) عالم دین سے لوگ اپنے روزمرہ کے مسائل ضرور پوچھتے ہیں اور اسے خود اپنے عمل کے لئے بھی مسائل سے آگاہی ضروری ہے اس لئے ہر طالبِ علم کا فرض ہے کہ مکمل ''بہار شریعت'' کا مطالعہ ضرور کرے اور بار بار مراجعت کرتا رہے تاکہ ضروری مسائل از بر رہیں۔ اسی طرح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے کلامی وفقہی رسائل ضرور دیکھے ان میں وہ علمی خزانے ہیں جو کہیں اور شاید ہی دستیاب ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ جن لوگوں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی کتابیں غور سے نہیں پڑھی ہیں ساری درسیات پڑھنے پڑھانے کے بعد بھی بہت سے مسائل میں ان کی سطحیت بالکل عیاں ہوتی ہے۔

(۳) تجوید وقرأت بقدر ضرورت، کم از کم صحتِ مخارج کے ساتھ قرآن کی قرأت ہر ایک پر فرض ہے اس سے کوئی طالبِ علم ہرگز عاری نہ ہو۔

(۴) حالات زمانہ سے آگاہی، مخالفین کی حرکتوں سے واقفیت کے لئے مختلف کتب ورسائل کا مطالعہ کرتا رہے۔ سیرت، تاریخ، حساب، جغرافیہ وغیرہ کی بنیادی تعلیم جو ابتدائی درجات میں شامل ہے۔ مطالعہ کے ذریعہ ان میں اور وسعت پیدا کرے۔

(۵) کتب حدیث کی ایک محدود مقدار داخل نصاب ہے مطالعہ میں کم از کم پوری ''مشکوٰۃ المصابیح'' ضرور دیکھے۔

(۶) تدریس، تقریر، مناظرہ ہر ایک کا ملکہ پیدا کرے تاکہ وقت ضرورت عاجز نہ رہے اور

اس کا دائرۂ کار بھی وسیع ہو۔ بعد میں اگر سارے کام بخوبی نبھالیتا ہے تو بہت خوب ورنہ جیسی ضرورت ہوگی ویسا کر سکے گا۔

(۷) تقریر وتحریر کے ذریعہ جو بھی بیان ہو اس کی اچھی طرح جانچ کر لی جائے کہ وہ ثقہ ومستند ہے اس کا اصل اور قوی ماخذ ذکر میں نہ آئے تو بھی معلوم ومحفوظ ضرور ہو۔ ورنہ نقل در نقل میں بہت سی ایسی باتیں بھی در آتی ہیں جو منطقی وعقلی اور شرعی اعتبار سے غلط ہیں یا غیر معتبر اور نا قابل بیان ہیں۔ تنقیدی وتحقیقی نظر پیدا کرنا بہت ضروری ہے۔

(۸) زبان وبیان کی غلطیوں سے بھی اپنی تحریر وتقریر کو ہر طرح محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔ میں نے آیت پڑھا، تم نے حدیث سنا، خدا کے احکامات، اس امر کی وجوبات، رسومات وغیرہ جیسی تراکیب والفاظ سے بھی بچنا چاہئے۔ معطوف معطوف علیہ دونوں عربی یا فارسی یا ایک عربی اور ایک فارسی ہو تو حرف عطف ''و'' درست ہے مگر کوئی ایک ہندی یا انگریزی ہو تو وہاں و کے بجائے اور ہونا چاہئے۔ اس طرح کی اور بھی چیزیں ہیں جو اس دور کے معروف قلمکاروں کے یہاں بھی در آئی ہیں۔ شاید کوئی بروقت ان کی اصلاح کرنے والا کوئی نہ ہوا۔ مبتدیوں کی غلطیاں تو بہت ہیں۔ انہیں اساتذہ سے معلوم کرنا چاہئے۔

بولنے اور لکھنے سے پہلے اپنے سامع وقاری کو متعین کریں اور وہ جس سطح کے ہوں اسی سطح کی گفتگو کریں اور زبان میں بھی اس کی رعایت کریں۔ مخلوط ہوں تو دونوں کی رعایت کریں۔ اخبار اور عوامی رسائل کے لئے زبان بہت آسان اور عام فہم ہونی چاہئے۔ ادبی رسائل کے لئے ادبی اور تحقیقی کے لئے تحقیقی۔ مگر مشکل الفاظ، پیچیدہ تراکیب، اور بہت خفی استعارات وکنایات سے احتراز ہر جگہ ضروری ہے۔

(۹) باہمی نزاعات سے دور رہیں اور کسی جگہ کوئی اختلاف رونما ہو تو اصلاح ومصالحت کی تدبیر کریں۔ دردمندی اور اخلاص سے کوشش ہوئی تو کامیاب ہو یا نا کام اس کا اجر ان شاء اللہ ضرور حاصل ہوگا۔

(۱۰) دوسروں کی تنقیص، جماعت میں کام نہ ہونے کا ماتم، اپنی براءت کا اثبات اور دوسروں پر الزام آج کل ایک محبوب مشغلہ بن گیا ہے۔ حالاں کہ اس کا حاصل اپنوں سے

بدگمانی اور تضیع اوقات کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ہو سکے تو خود کچھ کریں یا جو لوگ کچھ کر رہے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کریں۔

(۱۱) طالب علم اپنے افکار وخیالات، کردار واخلاق، ہمیشہ پاکیزہ وبلند رکھے۔ پست حرکتوں کا خیال آنے پر بھی اپنا محاسبہ کرے، دین وسنت کی پابندی اور خدا ورسول کی اطاعت تک میں دنیا وآخرت کا بھلا جانے، آزادوں کی آسائشوں اور رنگینیوں سے کبھی متاثر ومرعوب نہ ہو۔ نہ ہی ان کے حصول کی خاطر اپنے افکار واخلاق کی دنیا تاراج کرنے کا خیال دل میں لائے، شریعت کی خلاف ورزی کو زہر قاتل یا آتش مہلک جانے، فرائض وواجبات کی پابندی میں عوام سے کمتر ثابت نہ ہو بلکہ آداب ونوافل میں بھی ان کے لئے نمونہ اور مقتدیٰ بنے۔

(۱۲) عمرِ انسانی چند روزہ ہے اور کام بے شمار لیکن رب تعالیٰ نے انسان میں قوت واستعداد بے پناہ رکھی ہے، قوت کو فعل کی منزل میں لانے کے لئے جدوجہد درکار ہے، آدمی کو چاہئے کہ خود کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنائے اور کسی بھی بڑے سے بڑے کام کو انجام دینے کی لیاقت اور حوصلہ پیدا کرے، رب تعالیٰ کی نصرت وحمایت کارساز ہوگی، اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی کسی خدمت پر نہ مغرور ہو نہ احساس کمتری کا شکار ہو کر دست کش ہو۔

(۱۳) کوئی اہم اقدام کرنا ہو، کوئی تنظیم یا ادارہ یا انجمن بنانی ہو تو لوگوں سے مشاورت ضرور کریں تاکہ بے خبری میں اقدام کے بعد رسوائی یا ناکامی کا سامنا نہ ہو۔

رائے دینے والوں میں کئی طرح کے لوگ ہوں گے۔

(۱) زیادہ وہ ہوں گے جو آپ کا منصوبہ اور اس کی افادیت سننے کے بعد فوراً داد وتحسین سے نوازیں گے اور اپنی حمایت کا یقین دلائیں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے سامنے صرف ایک رخ ہوگا، مضرت یا مشقت سے وہ ناآشنا ہوں گے۔

(۲) کچھ وہ تجربہ کار اور رسیدہ لوگ ہوں گے جو کام کی اہمیت، راہ کی دشواری، اور آپ کی کم سنی وناتجربہ کاری دیکھ کر آپ سے بات کرنا بھی مناسب نہ سمجھیں گے اور کسی طرح اپنے سر سے آپ کو ٹالنے کی کوشش کرلیں گے۔

(۳) کچھ وہ ہوں گے جو راہ کی مشکلات اور دشواریاں بتا کر آپ کو اس قدر سراسیمہ کردیں گے کہ آپ اپنے منصوبہ سے دست بردار ہونے ہی میں ہر طرح کی عافیت محسوس کریں گے۔

(۴) کچھ وہ ہوں گے جو کام کی اہمیت اور افادیت تسلیم کرنے کے ساتھ راہ کی مشکلات اور ان کا مناسب حل بھی بتائیں گے۔ یہی حضرات آپ کے لئے کارآمد ہوں گے جو بڑی مشکل سے ملیں گے۔

سب کی باتیں سننے اور نوٹ کرنے کے بعد آپ اپنے حالات اور اپنے امکانات کا بے لاگ جائزہ لیں اگر مشکلات کو سر کرنے کے ساتھ کامیابی کی توقع راجح اور غالب نظر آئے تو اقدام کریں ورنہ وسائل اور امکانات پر قابو پانے تک ملتوی کریں یا کسی دوسرے رخ، دوسری صورت یا دوسرے کام پر غور کریں جسے آسانی یا دشواری کے ساتھ مکمل کر سکیں۔

اس پر یقین رکھیں کہ انسان حرکت وعمل ہی سے بقائے دوام پاتا ہے۔ اس لئے خود کچھ کرنے کی صورتیں سوچیں اور عمل میں لائیں۔ دوسروں کا محاسبہ، ان پر نقد وتبصرہ اور ان کی تنقیص کا کوئی خاص حاصل نہیں۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی شخص تھوڑا بھی دینی کام کررہا ہے تو اس کی قدر کی جائے، صرف اپنے کام کی قدر اور دوسروں کے کام کی تحقیر ایک مذموم رویہ ہے جس سے بہت سی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ اس بارے میں حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مبارکپوری بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی ذات مشعل راہ ہے۔ وہ ہر عامی وعالم کی، جو کوئی ادارہ چلا رہا ہو یا کوئی بھی چھوٹی موٹی دینی علمی خدمت انجام دے رہا ہو، حوصلہ افزائی کرتے، کلمات خیر سے یاد کرتے، غائبانہ بھی اس کا اچھا تذکرہ کرتے جس کے باعث وہ اپنی خدمت میں اور مستعد ہو جاتا، اسے اور ترقی دیتا اور ملت کا فائدہ بہر حال ہوتا۔

وفقنا اللہ وایاکم لمثلہ۔ واللہ ذوالفضل العظیم۔

مدارسِ اہلسنّت کے طلبہ ومدرسین سے ضروری گزارش

علامہ محمد احمد اعظمی مصباحی

آپ کو معلوم ہوگا کہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں درجات عالیہ کی درسی کتابیں شائع کرنے کے لئے ۲۰۰۰ء سے مجلس برکات کا قیام عمل میں آچکا ہے۔اس سلسلے میں چند اہم باتیں خاص توجہ کی طالب ہیں۔

(۱) تیرہویں صدی کے نصف اخیر اور چودہویں صدی ہجری کے اوائل میں درسی کتابوں کی اشاعت اور ان کے تحشیہ وغیرہ کا کام زیادہ تر علمائے اہلسنّت مثلاً مولانا الٰہی بخش فیض آبادی م ۱۳۰۷ھ، مولانا انور علی لکھنوی، مولانا عبدالعلی آسی مدراسی، مولانا تراب علی لکھنوی، مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی، مولانا محمد یوسف فرنگی محلی وغیرہم کے اہتمام میں ہوتا تھا۔

ان حضرات کی رحلت کے بعد دیگر علمائے اہلسنّت نے پورے طور سے اس طرف توجہ نہ رکھی اور مخالفین میدان خالی پاکر سرگرم عمل ہوگئے۔انہوں نے اہلسنّت کی خدمات کو محو کرنے اور طلبہ ومدرسین کے ذہنوں سے بھی ان کا نام ونشان مٹانے کے لئے درج ذیل طریقے اختیار کئے۔

(الف) اہلسنّت کے حواشی نئی کتابت وطباعت کے ساتھ منظر عام پر لائے مگر حضرات محشین کے نام ٹائٹل پیج سے، اور جہاں تک ہوسکا اندر سے بھی غائب کردیئے اس کی مثال ہدایۃ النحو (بحاشیہ مولانا الٰہی بخش فیض آبادی) کافیہ (بحاشیہ مولانا معشوق علی جونپوری) نحو میر (بحواشی مولانا انور علی لکھنوی ومولانا عبدالعلیم آسی مدراسی) شرح جامی (بحاشیہ مولانا برکت اللہ فرنگی محلی) وغیرہ کتابیں ہیں جو آج بھی بعض کتب خانوں سے مذکورہ حضرات کا نام غائب کرکے شائع ہورہی ہیں۔

(ب) قدیم حواشی میں تھوڑا حذف واضافہ کرکے انہیں نئے نام سے اپنی طرف منسوب کرکے شائع کیا۔اس کی مثال اصول الشاشی کا حاشیہ عمدۃ الحواشی ہے جو محض کچھ کلمات

ومبارات کے حذف واضافہ کے ساتھ احسن الحواشی از مولانا برکات اللہ فرنگی محلی کا نیا ایڈیشن ہے۔ ایسی متعدد کتابیں ہیں۔

(ج) اہلسنت کے عربی وفارسی حواشی کو اردو میں منتقل کرکے اپنے نام سے شائع کیا۔ اور اصل کا کوئی ذکر بھی نہ کیا۔

(د) ان حرکتوں پر تقریباً پچاس سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ درسیات کے حاشیے اور ان کی اشاعت کا سہرا صرف اور صرف ہمارے سر ہے۔ علمائے اہلسنت کا اس میدان میں کوئی کردار نہیں۔ اگر ہم کتابیں چھاپ کر نہ دیں تو پڑھنے پڑھانے کے لئے انہیں کتابیں بھی نہ ملیں۔

یہ پروپیگنڈہ اس زور وشور سے ہوا کہ اہلسنت کے طلبہ ومدرسین کی زبان سے بھی اس کی بازگشت سنائی دینے لگی۔ یہ خود کہنے لگے کہ درسیات کا سارا کام دوسروں نے کیا ہے ہمارے علماء کا اس میدان میں کوئی حصہ نہیں۔

(۲) حالانکہ کتابوں کی طباعت واشاعت ایک منفعت بخش تجارت بھی ہے۔ اسی لئے منشی نولکشور اور ان کے بیٹے اس میدان میں ایک لمبے عرصے تک سرگرم رہے۔ اور آج بھی بعض غیر مسلم اسلامی کتابوں کی اشاعت سے وابستہ ہیں۔

مگر اہل دیوبند اب خالص تجارت پر اتر آئے ہیں۔ کتابوں کی قیمتیں زیادہ کردیں ہیں۔ کاغذ گھٹیا لگاتے ہیں اور تاجروں کو کمیشن زیادہ دیتے ہیں۔ تاجرین زیادہ کمیشن کی حرص میں صرف دیوبند کی کتابیں خریدتے ہیں اور سنی مدارس کو بھی وہی کتابیں دیتے ہیں۔ عمدہ کاغذ، مناسب قیمت اور کمیشن والی کتابیں یہ ہاتھ نہیں لگاتے۔ جب کہ غور کیا جائے تو گھٹیا کاغذ، زیادہ قیمت والی کتابیں لینے میں کوئی زیادہ مالی منفعت بھی نہیں۔ ایک کتاب کی قیمت سو روپے کمیشن چالیس فیصد ہے تو تاجر کو =/60 روپے میں ملے گی۔ اسی کتاب کی قیمت =/150 کردی اور کمیشن %50 تو =/75 روپے میں ملی اور اگر قیمت دو سو روپے کردی اور کمیشن %70 تو بھی =/60 میں ملے گی۔ اور کاغذ ہلکا، گھٹیا کردیا تو قیمت بڑھانے کی بھی ضرورت نہ رہی۔ مگر مدارس اور دیگر خریداروں کا نقصان ضرور ہے کہ جو کتاب بیس تیس سال تک بخوبی استعمال ہوسکتی تھی وہ پانچ سات سال میں پھٹنے اور گلنے لگتی ہے۔ مگر مدارس اور خریداروں کو اس نقصان کا احساس نہیں۔ تاجروں کو زیادہ کمیشن لینے یا سننے کا شوق ہے اس لئے وہ گھٹیا کاغذ،

زیادہ قیمت والی کتابیں لے کر مدارس کے سر مسلط کر دیتے ہیں اور اپنے نفع کے لئے مدارس اور خریداروں کا نقصان بڑی فراخ دلی سے جاری رکھتے ہیں۔

(۳) ان حالات میں اہل مدارس کو عقل وشعور کے ساتھ دینی غیرت وحمیت سے بھی کام لینے کی ضرورت ہے۔ مجلس برکات کی کتابوں میں مصنف ومحشی کا نام ٹائٹل پر نمایاں طور پر لکھا گیا ہے۔ ان حضرات کا تعارف بھی شامل کیا گیا ہے۔ کاغذ معیاری ہے۔ صفحات کا اضافہ ہے پھر بھی قیمت دیگر مکتبوں کے برابر یا کم ہی رکھی گئی ہے۔ فہرست اور تعارف منگا کر دیکھیں تو اس سے بھی کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔ اس کے باوجود مدارس اور طلبہ اگر تاجروں کے چکر میں پھنس کر صرف غیروں کی کتابیں حاصل کرتے رہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ وہ حد سے زیادہ سادہ لوح یا بالکل بے حمیت واقع ہوئے ہیں۔ یہ اگر تاجرین کو آرڈر دینے کے ساتھ شرط کر دیں کہ مجلس برکات کی کتابیں لا کر دیں گے جبھی ہم خریدیں گے ورنہ نہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ انہیں مجلس برکات کی کتابیں دستیاب نہ ہوں۔ علاوہ ازیں ذمہ داران مدارس مراسلت یا رابطہ کی ذراسی زحمت گوارا کرلیں تو انہیں یہ کتابیں براہِ راست مجلس برکات سے بھی حاصل ہوسکتی ہے۔ اور کوئی نقصان نہ ہوگا۔ بلکہ فائدہ ہوگا۔

(۴) غیروں کی عصبیت کا حال یہ ہے کہ ہماری کتاب عمدہ اور سستی ہو جب بھی وہ اسے ہاتھ لگانے کے لئے تیار نہیں، مگر ہماری حالت یہ ہے کہ اپنے ادارہ سے کتاب دستیاب ہونے اور عمدہ وارزاں ملنے کے باوجود غیروں اور صرف غیروں کو فائدہ پہنچانے اور ان کا پروپیگنڈہ، ان کی شہرت اپنے ادارے کی چہار دیواری کے اندر باقی رکھنے پر مطمئن اور بے فکر ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ عقل سلیم اور فکر مستقیم عطا فرمائے۔

ہم آپ کی دانشمندی اور دینی غیرت وحمیت سے اُمید رکھتے ہیں کہ اب آپ مجلس برکات کی کتابوں کی اشاعت سے متعلق تدابیر پر خود غور کریں گے، اور مناسب عملی اقدام بھی فرمائیں گے۔ والسلام۔

رابطہ کا پتہ

مجلس برکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور
ضلع اعظم گڑھ، اترپردیش، انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم
فتاویٰ رضویہ
تصنیف
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ
الحمدللہ اسلامک پبلشر فقہ حنفی کی عظیم تصنیف فتاوی رضویہ کو باقاعدہ شروع سے آخر تک تصحیح، تمام جلدوں کو کمپوز کروا کر اور جو رسائل شمولیت سے اب تک رہ گئے تھے ان کی شمولیت اور بعض جلدوں کی نئی ترتیب کے ساتھ انتہائی خوبصورت انداز میں اور معیاری کاغذ پر پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔
اسلامک پبلشر دہلی
۲۳۷- گلی سروطے والی مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۶
فون: ۲۳۲۸۴۳۱۶ فیکس: ۲۳۲۸۴۵۸۲